درس ۲۶

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں

قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۲)

اقتدار واختیار اللہ کا

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

''اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی' وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

آیت کے آغاز میں جو حرفِ جار ''ل'' آیا ہے یہ عربی میں بہت سے معنوں میں آتا ہے' لیکن ایسے مقامات پر یہ اکثر و بیشتر دو معنوں کا حامل ہوتا ہے۔ یہ لام تملیک کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور استحقاق کے لئے بھی۔ تملیک کا مفہوم ہے ''کسی شے کا مالک ہونا'' جیسے هٰذَا الْقَلَمُ لِیْ ''یہ قلم میرا ہے'' یعنی میں اس کا مالک ہوں' یہ میری ملکیت ہے۔ اور استحقاق یہ ہے کہ کسی کو اس کا حق پہنچتا ہو۔ اسی کو آپ انگریزی میں کہتے ہیں: de facto & de jure۔ چنانچہ ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا مفہوم ہوگا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت اور بادشاہی de facto بھی اسی کی ہے اور de jure بھی اسی کی ہے۔ اسی کو حاکمیت کا حق پہنچتا ہے اور بالفعل بھی وہی حاکم ہے۔ اسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ مالک ہو اور بالفعل بھی وہی مالک ہے۔

© rasailojaraid

اب دیکھئے کہ یہ لفظ ''مـــلک'' بھی دونوں معنی دیتا ہے۔ ''م ل ک'' ہی سے ملکیت اور مالک ہے' اور اسی سے مُلک ہے' یعنی حکومت' بادشاہی۔ اسی لئے سورۃ الفاتحہ کی قراءت میں بھی ''مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ'' اور ''مَلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ'' دونوں قراءتیں موجود ہیں۔ ''مَلِک'' بادشاہ ہے اور ''مَالِک'' کسی شے کی ملکیت کا حق رکھنے والا۔ اور دونوں میں منطقی ربط یہی ہے کہ جو کسی شے کا مالک ہے اسی کو اختیار حاصل ہے کہ اسی کی مرضی کے مطابق اس میں تصرف ہو۔ اس پہلو سے اللہ کی بادشاہی ''مُلک یا ملوکیت'' اور اللہ کی ملکیت دونوں باہم لازم وملزوم ہیں۔ اور ''لَهٗ'' میں یہ دونوں پہلو ہیں۔

دورِ حاضر کا سب سے بڑا شرک

میں اپنے ''خطباتِ خلافت'' اور دیگر خطابات میں یہ بات بڑی تفصیل سے واضح کر چکا ہوں کہ غیر اللہ کی حاکمیت کا تصور اِس دَور کا سب سے بڑا شرک ہے۔ بادشاہی صرف اللہ کے لئے ہے۔ اور اسی کی بہترین تعبیر علامہ اقبال نے اس طرح کی ہے۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی' باقی بتانِ آزری!

چاہے وہ فردِ واحد ہو' جو فرعون یا نمرود بن گیا ہو اور چاہے وہ حاکمیت جمہور کا تصور ہو۔ یہ بات سمجھانے کے لئے میں نے بارہا یہ تمثیل دی ہے کہ گندگی کی کوئی بہت بڑی پوٹ خواہ ایک شخص کے سر پر رکھی ہو اور خواہ اسے تولہ تولہ' ماشہ ماشہ تمام لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے' گندگی تو گندگی رہے گی۔ فرعونیت اور نمرودیت یہ تھی کہ ایک فرد اقتدارِ اعلیٰ کا مدعی تھا۔ فرعون نے کہا تھا: ﴿اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ﴾ (الزخرف: ۵۱) ''کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟'' یعنی یہ آب پاشی اور آب رسانی کا سارا نظام میرے اختیار میں ہے' جس کو چاہوں پانی دوں' جس کا چاہوں موگہ بند کر دوں۔ یہ تھا فرعون کا دعویٰ جس کو قرآن مجید نے تعبیر کیا کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی﴾ — لیکن یہی معاملہ آج یہ صورت اختیار کر چکا ہے کہ خدائی کا دعویٰ تقسیم ہو گیا ہے' اسے تمام

id.com

لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ نظری اعتبار سے سب حاکم ہیں۔ عوام کی حاکمیت (Popular Sovereignty) ہے' لیکن جان لیجئے کہ اسلام کے نزدیک حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی حاکمیت کا حق' حکومت کا حق صرف اُسی کو حاصل ہے اور بالفعل بھی وہی حاکم ہے۔

انسانی اختیار کی اصل حقیقت

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو تھوڑا سا اختیار دیا ہے اور وہ اسی کے بل بوتے پر حاکم بن کر بیٹھ گیا ہے' حالانکہ اگر آپ حقیقت کے اعتبار سے غور کریں تو معاملہ بالکل وہی نظر آتا ہے جس کو محاورے میں کہا جاتا ہے کہ چوہے کو ہلدی کی گانٹھ مل گئی تھی اور وہ پنساری بن کر بیٹھ گیا تھا۔ کیا حکومت ہے انسان کی! اپنے وجود پر تو اس کا اختیار چل نہیں رہا۔ اس کے اپنے جسم کا پورا نظام اللہ کے قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ اگر چاہے کہ میرے جسم کے فلاں حصے پر بال نہیں اگنے چاہئیں تو اسے اس کا بھی اختیار نہیں۔ وہ تو اگیں گے' آپ ان کو روک نہیں سکتے۔ آپ کی انتڑیوں کے اندر حرکت آپ کے اختیار میں نہیں ہے' وہ تو کوئی اور ہی قانون ہے' کسی اور ہی کی مرضی ہے جس کے تحت ان میں حرکت ہو گی۔ آپ کا دل آپ کے اختیار میں نہیں ہے' جب بند ہو جائے گا تو پھر آپ کی مرضی سے دھڑکنے والا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا اپنا پورا وجود اسی قانونِ خداوندی کے اندر جکڑا ہوا ہے۔ اذنِ ربّ کے بغیر پتا تک نہیں ہلتا۔ ہمارے اپنے وجود کے اندر بھی پورا کا پورا نظام اسی قانون کے شکنجے میں ہے۔ لیکن اللہ نے بس ایک اختیار دے رکھا ہے: ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ یعنی چاہو تو شکر گزاری کی راہ اختیار کرو اور چاہو تو ناشکری کی روش اختیار کرو۔ یہ اسی کی دی ہوئی آزادی ہے' لیکن ہم نے ہلدی کی اس گانٹھ کے برتے پر اپنی بادشاہی کا تخت جما یا ہے۔

ملحدین کے تصورِ موت و حیات کی تردید

آگے فرمایا: ﴿يُحْيِ وَيُمِيْتُ﴾ ''وہ زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے۔'' نوٹ کیجئے کہ زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے' اگر میں یہ کہتا ہوں ''ہم مرتے ہیں' ہم جیتے

© rasailojaraid

ہیں۔'' گویا کہ موت اور زندگی کی نسبت ہم اپنی طرف کر رہے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ محجوبیت ہے' یعنی ہم پردے میں آ گئے' اوٹ میں آ گئے' اور یہی گمراہی ہے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہمیں زندہ رکھے ہوئے ہے اور وہ جب چاہے گا ہم پر موت وارد کر دے گا۔ یہ کمالِ معرفت ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے ''مردی و نامردی قدمے فاصلہ دارد'' اسی طرح ہدایت میں اور ضلالت میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ ''اللہ جلاتا ہے' اللہ مارتا ہے اور ''ہم جیتے ہیں' ہم مرتے ہیں''۔ چنانچہ قرآن مجید میں کفار و مشرکین کا ایک قول نقل ہوا ہے' جسے ہم کہیں گے کہ یہ آج کے مادہ پرست ملحد انسان کا موقف ہے۔ فرمایا: ﴿وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (الجاثية: ٢٤) ''اور انہوں نے کہا زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے' ہم خود ہی جیتے اور خود ہی مرتے ہیں اور ہمیں نہیں ہلاک کرتا مگر زمانہ''۔ یہاں ''نَمُوْتُ وَنَحْيَا'' میں نسبت اپنی طرف ہے کہ ہم جیتے ہیں' ہم مرتے ہیں۔ اگر نسبت بدل کر یہ کہا جائے کہ ﴿يُحْيِ وَيُمِيْتُ﴾ ''وہی زندہ کرتا ہے (یا زندہ رکھتا ہے) اور وہی موت وارد کرتا ہے'' تو اس فعل کی نسبت اللہ کی طرف ہو گئی اور یہی ہدایت ہے' یہی معرفت ہے' یہی توحید ہے۔

آیت کے آخر پر فرمایا: ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔''

مؤمن کا مطلوب و مقصود۔ معرفتِ ربّ

میں نے عرض کیا تھا کہ معرفت الٰہی ہی درحقیقت انسان کی سب سے زیادہ مطلوب و مقصود شے ہونی چاہئے' اس لئے کہ جتنی معرفت ہو گی اتنا ہی درحقیقت ہمارا عملی رویہ بھی درست ہو گا۔ جتنا اللہ کی عظمت کا انکشاف ہو جائے گا' اتنی ہی ہمارے اندر اللہ کے سامنے فروتنی اور سرافگندی کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ کسی شاعر نے کہا ہے ع ان کا غرور دیکھ کر بن گئے خاکسار ہم! یہاں لفظ ''غرور'' تو مناسب نہیں' ''ان کا عروج دیکھ کر'' کہہ لیجئے۔ جتنا اللہ کی عظمت کا انکشاف ہو گا اتنا ہی انسان کے اندر تواضع' فروتنی اور گردن جھکا دینے کی کیفیت پیدا ہو گی۔ اس اعتبار سے اصل شے جو

id.com

مطلوب و مقصود کے درجے میں ہے وہ معرفت ربّ ہے۔ بلکہ ہمارے ہاں بہت سے مفسرین اور صوفیاء نے ''عبادتِ ربّ'' اور ''معرفتِ ربّ'' کو مترادف قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴾ کی جو تفسیر کرتے ہیں وہ یہی ہے کہ ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْرِفُوْنِ ''یعنی ''میں نے نہیں پیدا کیا ہے انسانوں کو اور جنوں کو مگر اس لئے کہ میری معرفت حاصل کریں''۔ اس لئے کہ معرفت حاصل ہو جائے گی تو اس کا منطقی نتیجہ عبادت کی صورت میں نکلے گا۔ اگر کسی شخص کو اللہ کے حسن و جمال کی کوئی جھلک کبھی نصیب ہو جائے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی اور کے حسن کا گرویدہ ہو! کسی اور کی محبت اس کے دل میں کیسے گھر کرے گی! ابن سینا کا ایک بڑا پیارا جملہ ہے ''اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات میں سے تمہیں کوئی حصہ ملے تو تمہیں اپنی خلوتوں میں ریاضت کرنی پڑے گی' توجہ کرنی ہوگی' لو لگانی ہوگی' مراقبے کرنے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کبھی کوئی کرن تمہیں بھی نصیب ہو جائے''۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسان کو کبھی حقیقی معرفتِ ربّ کی کوئی چمک اور اس کی کوئی جھلک اگر مل جائے تو پھر اس کے لئے کسی اور سے دل لگانے اور کسی اور کی محبت میں گرفتار ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ تو اس معنی میں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴾ اور ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْرِفُوْنِ ''میں کوئی فرق نہیں ہے۔ معرفت حقیقی ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اسی کی محبت میں گرفتار ہیں' اسی کی رضا جوئی میں اپنی پوری زندگی صرف کر دیں گے' اسی کی یاد سے آپ کے دل کو راحت اور سکون و اطمینان نصیب ہوگا ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ضمن میں اب ایک بات اور نوٹ کیجئے۔ معرفتِ ربّ کو دو حصوں میں تقسیم کیجئے۔ ایک معرفت ذات اور ایک معرفت صفات۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی تصور کسی انسان کے لئے قطعاً ممکن نہیں۔ یہ ہمارے لئے out of bounds ہے۔ اس پر سے پردہ آخرت میں اٹھے گا۔ چنانچہ آخری نعمت جو اہل جنت کو نصیب ہو گی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ گویا حور و قصور اور جنت کی جتنی نعمتوں کا بھی تذکرہ ہے'

© rasailojaraid

ان سب سے کہیں بڑھ کر اور آخری شے جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ بہر حال معرفت ذات ہمارے لئے ناممکن ہے' ہم اُس کی ذات کی کنہہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں ایک بات کہی تھی' اور وہ چونکہ شعریت میں ڈھلا ہوا جملہ تھا' لہٰذا اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گرہ لگا کر شعر بنا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی طرف یہ قول منسوب ہے [العجز عن درک الذات ادراک] یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک سے عاجز ہو جانے کا جب انسان کو احساس ہو جائے تو یہی ادراک ہے۔ معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد! یہی درحقیقت علم ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کی ذات کا کوئی تصور' کوئی تخیل اور کوئی فہم ہمارے لئے ممکن نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے مذکورہ بالا قول پر حضرت علیؓ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: [والبحث عن کنہ الذات اشراک] یعنی اللہ کی ذات میں اگر کھوج کرید کرو گے تو کہیں نہ کہیں شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ جب کھوج کرید کرو گے تو جو تمہارا اپنا ذہنی تصور ہے اس کا کوئی نہ کوئی ہیولا قائم کرو گے' اور وہ اللہ تو نہیں ہے' اللہ تو تمہارے تصور سے ماوراء ہے' تم نے کوئی تصور قائم کیا تو تم نے گویا خود اپنا ایک خدا بنا لیا' اور یہی تو شرک ہے۔ ایک بُت تراش نے جو بُت بنایا ہے تو اپنے خیال میں تو خدا بنایا ہے' مگر بُت کو وہ اپنے خیال کے مطابق ایک انسانی صورت دے رہا ہے۔ اس پر بُت اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

مرا بر صورتِ خویش آفریدی   برونِ خویشتن آخر چہ دیدی؟

یعنی تُو نے تو ایک خدا بنانا چاہا تھا' لیکن تو نے اپنی ہی شکل میں مجھے بھی ڈھال دیا۔ تیرے دو ہاتھ تھے' میرے بھی دو ہاتھ بنا دیئے' تیرے دو پاؤں تھے' تو نے میرے بھی دو پاؤں بنا دیئے' تیری دو آنکھیں تھیں' تو نے میری بھی دو آنکھیں بنا دیں۔ تو نے اپنے سے باہر بھی کچھ دیکھا؟ تو واقعہ یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں بھی یہ اعتراف کہ وہ ہماری رسائی سے ماوراء' وراء الوراء' ثم وراء الوراء' ثم وراء الوراء ہے' یہی علم اور معرفت ہے۔ خاص طور پر حضرت مجددِ الف ثانیؒ کے جو مکاتیب یعنی

id.com

خطوط ہیں ان مکتوبات شریفہ میں یہ الفاظ بار بار آتے ہیں۔ اس لئے کہ واقعتاً تصوف کے وہ گوشے جو اس کھوج کرید کی طرف لے جاتے ہیں، وہ گمراہی اور شرک کی طرف لے جاتے ہیں، جبکہ والبحث عن کنہ الذات اشراک۔

اب رہ گیا ہمارے پاس صرف ایک معاملہ کہ ہم اللہ کو صرف اس کے اسماء و صفات کے حوالے سے پہچان سکتے ہیں۔ اسماء بھی درحقیقت اللہ کے صفاتی نام ہیں۔ یہ بحث ہم سورۃ الفاتحہ کے ضمن میں کیا کرتے ہیں کہ ایک رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ''اللہ'' ہے اور باقی تمام کے تمام اسماء صفاتی ہیں۔ رحیمؒ صفت ہے، جبکہ الرحیم اس کا ایک نام بن گیا۔ اسی طرح علیمؒ صفت ہے، العلیم اس کا نام ہو گیا۔ قادرؒ صفت ہے اور القادر اس کا نام ہو گیا۔ چنانچہ تمام اسماء حسنیٰ صفاتی نام ہیں، بلکہ میری رائے میں تو ان حضرات کے ساتھ ہے جو ''اللہ'' کو بھی صفاتی نام سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اِلٰہ سے ''الالٰہ'' اور اس سے ''اللہ'' بنا ہے۔ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کے تمام کے تمام اسماء صفاتی ہیں۔ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی معرفت کا جو بھی خزانہ ہے یا اس کا جو بھی ذریعہ ہے وہ صرف اسماء و صفات ہیں۔ چنانچہ ایمان مجمل کے الفاظ یاد کیجئے:
آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ ''میں ایمان لایا اللہ پر (میں نے مانا اللہ کو) جیسا کہ وہ اپنے اسماء و صفات سے ظاہر ہے''۔ یہی ایمان باللہ ہے۔ باقی اُس کی ذات سے کوئی بحث نہیں۔

صفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیت و کمیت؟

اب تیسرے درجے میں ایک بات اور ہے۔ اللہ کی صفات کی بھی ہم نہ تو کمیت کو جانتے ہیں نہ کیفیت کو۔ یہ ہمارے علم اور فہم کی محدودیت ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ قادر ہے ـــــ لیکن کتنا قادر ہے؟ ہمارے ذہن کے اندر اس کا کوئی تصور نہیں آ سکتا، اس لئے کہ سنار کی ترازو ماشے تولے ہی تول سکتی ہے، ٹنوں کا وزن نہیں تول سکتی۔ چنانچہ اللہ کی قدرتِ مطلق کا ہمارا ذہن کیا تصور کر سکتا ہے؟ اسی طرح ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ''البصیر'' ہے، دیکھنے والا ہے، وہ ''السمیع'' ہے، سننے والا ہے۔ لیکن وہ کیسے

© rasailojaraid

سنتا ہے' یہ ہم نہیں جانتے۔ کیا اس کے کوئی کان ہیں؟ معاذ اللہ! کیا وہ ہماری طرح sound waves کا محتاج ہے کہ waves آ کر کان کے پردے سے ٹکرائیں تو کچھ سنائی دے گا؟ معاذ اللہ! تو وہ کیسے سنتا ہے؟ دیکھنے کے لئے کیا وہ کسی روشنی کا محتاج ہے کہ اس کے ذریعے آنکھ کے پردے (retina) کے اوپر جا کر عکس بنتا ہے؟ معاذ اللہ! تو وہ کیسے دیکھتا ہے؟ نہ ہم کیت جان سکتے ہیں' اس لئے کہ وہ تو ہمارے تصور سے ماوراء ہے۔ وہ علیم ہے تو کتنا علیم ہے؟ کتنا علم ہے اس کا؟ ہم کیسے ناپیں گے' کیسے تولیں گے؟ پھر وہی بات کہوں گا کہ سنار والی ترازو پر یہ ٹنوں وزن کیسے تولا جائے گا! اس حوالے سے یہ ہماری درماندگی ہے۔ قرآن کریم ہماری اس درماندگی کا علاج لفظ ''کُل'' سے کرتا ہے۔ ﴿وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی لفظ ہے ہی نہیں کہ ''وہ ہر شے پر قادر ہے''۔ اور آگے چل کر آئے گا: ﴿وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ''وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے''۔ بس ''ہر'' کے لفظ میں یا ''کُل'' کے لفظ میں پناہ لینے کے سوا ہمارے پاس کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے۔ نہ ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اس کی قدرت کتنی ہے' نہ ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اس کی قدرت کی کیا کیفیت ہے۔ اس کا علم کتنا ہے؟ ہم نہیں جان سکتے۔ اس کے علم کی نوعیت کیا ہے؟ معاذ اللہ' ہم کیا جانیں۔

زیر مطالعہ آیت کے اختتام پر الفاظ آئے ہیں: ﴿وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اس سے اگلی آیت ان الفاظ پر ختم ہو رہی ہے: ﴿وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور ان دو صفات (علم اور قدرت) کو یوں کہنا چاہیے کہ یہ ''اُمّ الصفات'' ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسماء صفت علم ہی سے متعلق ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ خبیر ہے' سمیع ہے' بصیر ہے۔ اور یہ سب علم ہی کے تو شعبے ہیں۔ اسی طرح القابض' الباسط' الرافع' الخافض' یہ سب درحقیقت ''وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' ہی کی تو شرح ہیں۔ بس ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی شے کے بارے میں اگر ہمارے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہو جائے کہ اللہ یہ کیسے کرے گا؟ تو معلوم ہوا کہ ''وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' پر ہمارا ایمان نہیں ہے۔ اس کی قدرت تو مطلق ہے' boundless اور limitless ہے۔ کوئی شے

id.com

اس کے لئے مشکل نہیں ۔اسی طرح ہر شے اس کے علم میں ہے۔اور صفت علم کو تو آپ دیکھیں گے کہ اگلی آیات میں کیسے دہرادہرا کرلایا گیا ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۞﴾ یہ وہی اس کی صفت علم ہی تو چلی آ رہی ہے اور ﴿وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ میں بھی اسی صفت علم ہی کا تو تذکرہ ہو رہا ہے۔

انہی دو صفات (علم اور قدرت) کے حوالے سے جان لیجئے کہ ایمانیات میں تقدیر پر ایمان ((وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ)) درحقیقت انہی دونوں صفات پر ایمان کا منطقی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔اب اگر میں یہ سمجھوں کہ میں اس پیالے کو اللہ کے اذن کے بغیر اٹھا سکتا ہوں تو گویا میں نے اپنی قدرت کو اللہ کی قدرت کے مقابلے میں لاکھڑا کر دیا اور یہی شرک ہو جائے گا۔ میں نے ارادہ ضرور کیا ہے کہ اس پیالے کو اٹھالوں' لیکن جب تک اذنِ ربّ نہ ہو' اس کی توفیق اور اس کی تیسیر نہ ہو' میں اسے نہیں اٹھا سکتا تھا۔ گویا کہ اللہ کی قدرت تمام قدرتوں کے اوپر محیط ہے' حاوی ہے' ان کے اوپر مستولی ہے' چھائی ہوئی ہے۔ اسی طرح کل مجھے جو کچھ کرنا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ وہ عالم ما کان و ما یکون ہے۔ ہر شے اس کے علم میں ہے۔اس کے لئے ماضی' حال' مستقبل ہے ہی نہیں۔ یہ زمانے تو ہمارے لئے ہیں' اس کا علم تو بسیط ہے۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چونکہ جو کچھ میں کل کرنے والا ہوں وہ اللہ کے علم میں ہے' لہٰذا میں مجبور ہوں کہ وہ کروں۔ یہ جبر وقدر کی بحث ہے' اس کو علیحدہ کر لیجئے۔ یہ اُس کا Pre-Knowledge ہے' جو Pre-Determination کو مستلزم نہیں ہے۔ اللہ ہر شے کو جانتا ہے اور ہمیشہ سے جانتا ہے۔ ہر شے جو ہونے والی ہے وہ اُس کے علم کامل کے اندر ازل سے موجود ہے' لیکن اس کے معنی جبر کے نہیں ہیں' لہٰذا Pre-Determination کو Pre-Knowledge سے علیحدہ کر لیجئے۔ عام طور پر ذہنوں کے اندر جو اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ ان دونوں چیزوں کو لازم وملزوم سمجھ لیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid

تیسری آیت — مشکل ترین مقام

سورۃ الحدید کی تیسری آیت قرآن حکیم کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے۔ ذات وصفات باری تعالیٰ کی بحث یہاں اعلیٰ ترین علمی سطح پر آئی ہے۔ فرمایا:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾

''وہی ہے اوّل (پہلا) اور وہی ہے آخر (پچھلا)' وہی ہے ظاہر (انتہائی نمایاں بھی اور غالب بھی) اور وہی ہے باطن (انتہائی مخفی اور چھپا ہوا)۔''

یہ آیت مبارکہ ہے جس کے بارے میں امام رازی کی پوری بحث کا تفصیل سے مطالعہ کیا جائے تو واقعتاً محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اس آیت کی عظمت کے سامنے کھڑے تھرتھر کانپ رہے ہیں۔ اور انہوں نے الفاظ بھی ایسے پیارے لکھے ہیں: ''اِعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الْمَقَامَ مقامٌ غامضٌ عميقٌ مهيبٌ ''۔ یعنی ''جان لو کہ یہ مقام بڑا غامض ہے' عمیق ہے' مہیب ہے''۔ اس کی حقیقت کا سمجھنا آسان کام نہیں ہے۔ اس آیت کے مفہوم و معنی پر تو ان شاء اللہ اگلی نشست میں بحث ہوگی۔ اس وقت میں چاہتا ہوں کہ اس سے متعلق چند بنیادی باتیں آپ ذہن نشین کر لیں۔ یہ درحقیقت فلسفۂ وجود سے متعلق آیت ہے اور فلسفے کا سب سے مشکل مسئلہ ماہیتِ وجود ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ماہیتِ زمان اور ماہیتِ وجود' یہی فلسفے کے دو ایسے مسئلے ہیں جو لاینحل ہیں اور مشکل ترین ہیں اور چونکہ بہت سے حضرات کو اس کا ذوق نہیں ہوتا لہٰذا وہ اس موضوع پر گفتگو کو بھی وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ الفاظ قرآن میں آئے ہیں' لہٰذا ان پر غور و فکر ضروری ہے۔ قرآن مجید صرف عوام کے لئے ہدایت نہیں ہے' خواص کو بھی تو ہدایت یہیں سے ملے گی اور جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقل ودیعت ہوئی ہے وہ جاننا چاہتے ہیں کہ کائنات کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ وجود کی حقیقت کیا ہے؟ وجود کی ماہیت کیا ہے؟ یہ سوالات ہیں جن پر انسان غور کرتا چلا آ رہا ہے' اور اس بارے میں مختلف آراء بنی ہیں' مختلف فلسفے وجود میں آئے ہیں' جن میں وحدت الشہود بھی ہیں' وحدت الوجود بھی ہے' پھر ثنویت بھی ہے اور تثلیث بھی ہے۔ اس پر تو بعد میں گفتگو ہوگی' اس وقت جو بات میں نوٹ کرانا چاہتا ہوں وہ صرف ظاہری الفاظ کے حوالے سے ہے۔

.com

تین امتیازی فرق

میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اسماء عام طور پر جوڑوں کی شکل میں آتے ہیں۔ جیسے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ' وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ' اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔اس ضمن میں صرف تین استثناءات ہیں اور وہ تینوں انہی سورتوں میں ہیں۔ یہاں چار اسماء اکٹھے آ رہے ہیں: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ ۔ اسی طرح سورۃ الجمعہ کی پہلی آیت میں بھی چار اسماء اکٹھے آئے ہیں: ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ۔تیسرا استثناء سورۃ الحشر کی آخری تین آیات ہیں' جن میں سے درمیانی آیت تو یوں سمجھئے کہ قرآن مجید میں اسماء باری تعالیٰ کا عظیم ترین اور حسین ترین گلدستہ ہے: ﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾ یہاں آٹھ اسماء تسلسل کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔

دوسرا فرق یہ نوٹ کیجئے کہ عام طور پر اسماء باری تعالیٰ آیات کے آخر میں آتے ہیں' لیکن یہاں آیت کی اصل جو main body ہے وہ درحقیقت انہی اسماء پر مشتمل ہے۔اس کی کوئی اور مثال قرآن مجید میں نہیں ہے۔

تیسرا فرق جو اہم ترین ہے' یہ نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید میں اس ایک مقام کے سوا کہیں بھی اسماءِ باری تعالیٰ کے درمیان حرف عطف نہیں آیا۔ سورۃ الحشر کی مذکورہ بالا آیت میں آٹھ اسماءِ حسنیٰ آئے ہیں لیکن درمیان میں کہیں حرفِ عطف نہیں ہے' کوئی فصل نہیں ہے' "اَلْمَلِكُ وَالْقُدُّوْسُ " نہیں ہے۔قرآن مجید میں ہر جگہ "وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ " ہی آیا ہے' کہیں "وَهُوَ الْعَزِيْزُ وَالْحَكِيْمُ " نہیں آیا۔مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے بڑی پیاری بات کہی ہے۔جیسے کہ میں نے ایک بات عرض کی تھی کہ اللہ کے تمام اسماء وصفات مطلق ہیں' کوئی کسی کا تابع نہیں' ایسے ہی دوسری بات نوٹ کر لیجئے جو مولانا فراہیؒ نے لکھی ہے کہ اللہ کی تمام صفات اس کی ذات میں بیک وقت موجود ہیں' جبکہ واؤ باہم فصل کر دیتا ہے' واؤ سے تو مغائرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ نحو کا قاعدہ ہے کہ عطف جو ہے وہ معطوف اور معطوف الیہ میں مغائرت کا

© rasailojaraid

سبب بنتا ہے۔ اور دنیا میں ہم یہ جانتے ہیں کہ صفات عموماً جمع نہیں ہوتیں۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں منتقم اور غفور تو نہیں ہو سکتا۔ یہ کیفیات تو مختلف ہوں گی۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں یہ تمام شانیں بیک وقت بتمام وکمال موجود ہیں۔ اسی لئے کہیں فصل نہیں ہے‘ کہیں حرفِ عطف نہیں لایا گیا‘ سوائے اس مقام کے۔

اسماء باری تعالیٰ کے ضمن میں یہ تین امتیازی فرق ہیں جو اس آیت مبارکہ میں بقیہ تمام قرآن مجید سے ہیں‘ ان کو نوٹ کر لیجئے۔ باقی اس آیت مبارکہ پر مفصل گفتگو اِن شاءاللہ اگلی نشست میں ہو گی!

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وايا كم بالآيات والذكر الحكيم

بقیہ: حرفِ اوّل

اللہ کی طرف سے اگر کوئی خصوصی معاملہ نہ ہوا تو پورے عراق پر امریکی قبضہ تقدیر مبرم کا درجہ رکھتا ہے۔ امریکہ کو اپنی حتمی کامیابی کا یقین کامل حاصل ہے ـــــ عراق کی شکست کو یقینی جانتے ہوئے اس نے اپنے اگلے ہدف کی جانب پیش قدمی کا آغاز کر دیا ہے‘ گو یہ ابھی بیانات تک محدود ہے لیکن حالات کے رخ کو دیکھ کر آنے والے وقت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مختلف بہانوں سے پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرانے بلکہ فردِ قراردادِ جرم عائد کرنے کا آغاز ہو چکا ہے۔ پاکستان پر الزام ہے کہ اس نے شمالی کوریا کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کی ہے اور اس جرم کی پاداش میں پہلے قدم کے طور پر کہوٹہ لیبارٹریز پر پابندی کا فیصلہ سنایا جا چکا ہے۔ پاکستان کے خلاف امریکہ کے اس یکطرفہ اقدام کے ردِعمل میں پورے ملک میں امریکی تسلط کے خلاف آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔ ملک کے اکثر طبقات بجا طور پر پُرزور انداز میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ اس امریکی دھونس کے جواب میں امریکہ کے ساتھ تعاون کے خاتمے کا اعلان کرے‘ امریکہ کو فراہم کئے گئے اڈوں کو خالی کروائے اور ایف بی آئی کے اہلکاروں کو ملک سے بے دخل کرے ـــــ حقیقت یہ ہے کہ فیصلے کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ ہم نے ”عالم اسلام کے خاتمے“ کی امریکی مہم میں امریکہ کے اتحادی بن کر جو شرمناک کردار ادا کیا ہے اس کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہئے۔ ہمیں پوری امت کا ساتھ دیتے ہوئے کھل کر امریکی جارحیت کی مذمت کرنی چاہئے اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے کی بجائے مسلم اُمہ کو ساتھ ملاتے ہوئے پوری جرأت و ہمت کے ساتھ امریکی عزائم کے مقابل چٹان بن کر کھڑے ہو جانا چاہئے۔ بصورتِ دیگر بھیڑ بکری بن کر ہمیں اپنی باری کا انتظار کرنا ہو گا اور امریکی جلاد کی چھری سے ہمیں بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔ ایک بات یاد رہے کہ امریکہ جیسے پاگل ہاتھی سے لڑائی مول لینے کے ساتھ اگر ہم بحیثیت قوم اللہ کا دامنِ رحمت تھام لیں تو دنیا کی واحد سپر پاور کے مقابلے میں کائنات کی واحد سپریم پاور ہمارے لئے کافی ہو جائے گی۔ (اللهم وفقنا لهذا) ورنہ اندیشہ ہے کہ ہماری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں! ○○

id.com